© rasailojaraid.com

ایران میں چند روز

سعید احمد اکبرآبادی

(۶)

مقبرۂ حکیم عمر خیام | شیخ فریدالدین عطار کے مقبرہ کے قریب ہی حکیم عمر خیام کا مقبرہ ہے۔ کسی ایک شخص میں ریاضی، فلسفہ اور شعر کا اجتماع ..... کم ہوتا ہے۔ لیکن خیام کا شمار انہیں چند نوابغ روزگار میں ہے جو بیک وقت نہایت ممتاز ماہر ریاضیات بھی تھا اور بلند پایہ فلسفی اور بہت نامور شاعر بھی اور ساتھ ہی ایک ماہر طبیب اور منجم بھی۔ ریاضیات میں اس کی مہارت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ جس کا اعتراف زمانۂ حال کے اکابر علمائے ریاضیات کو ہے کہ اب سے کم و بیش نو سو (۹۰۰) برس پہلے خیام نے رصد ملک شاہی کے نام سے جو رصدگاہ تیار کی تھی اس کے حساب میں اور آج کل کے حساب میں صرف چند سکنڈ کا فرق ہے۔ یعنی خیام کے حساب سے ایک برس تین سو پینسٹھ دن، پانچ گھنٹے اور انچاس منٹ کا ہوتا ہے اور عصر حاضر کی تحقیقات کی رو سے یہ تین سو پینسٹھ دن، پانچ گھنٹے اڑتالیس منٹ اور سات اعشاریہ انچاس سکنڈ کا! اب اگر اس زمانہ کے آلات رصد کا مقابلہ ہمارے زمانہ کے آلات اور سازوسامان سے کیا جائے تو خیام کا اکتشاف ایک علمی معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ فلسفہ میں اس کا کیا مقام تھا؟ اس کا اندازہ ان رسائل سے ہوتا ہے جو اس نے کون و تکلیف۔ وجود۔ اور کلیاتِ وجود وغیرہ موضوعات پر عربی یا فارسی میں لکھے تھے۔ اس سلسلہ میں یاد آیا شہرزوری نے تاریخ الحکماء میں خیام اور امام غزالی کی ملاقات کا یہ دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام غزالی حکیم عمر خیام کی مجلس میں آئے اور دریافت کیا: جب فلک کے تمام اجزاء (البسیط ہونے کے باعث) ایک دوسرے کے متشابہ نہیں تو پھر فلک کے دو جز یعنی جنوبی اور شمالی کو قطبیت کے لئے متعین کرنا کیونکر درست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوسکتا ہے؟ خیام نے اس سوال کے جواب میں ایک طویل تقریر شروع کردی جس میں سارا زور اس پر تھا کہ حرکت کس مقولہ سے ہے۔ خیام نے یہ سب کچھ کہا مگر اصل سوال کا جواب اب بھی نہیں آیا۔ ابھی تقریر جاری ہی تھی کہ کسی قریب کی مسجد سے ظہر کی نماز کے لئے اذان کی آواز آئی اور امام غزالی "جاء الحق وزہق الباطل" کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور روانہ ہوگئے۔ عام مصنفین کا خیال یہ ہے کہ خیام علم کے معاملہ میں کنجوس واقع ہوا تھا۔ چنانچہ شہرزوری نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بخل کی ہی وجہ تھی کہ خیام اصل حرف مطلب پر نہیں آیا۔ اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے وقت گذار دیا۔ لیکن ہمارے نزدیک سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے۔ کیونکہ امام غزالی کا سوال نہایت سطحی اور طالب علمانہ ہے۔ فلسفہ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قطب جنوبی اور شمالی کی تعیین حقیقی نہیں ہیں بلکہ وہمی اور خیالی ہے۔ اس بنا پر فلک کا متشابہ الاجزا ہونا اس میں مانع نہیں ہوسکتا۔ آخر فلاسفہ جب جزء لایتجزیٰ کے ابطال پر دلائل قائم کرتے ہیں تو جزء کے کسر وہمی پر ہی استدلال کی بنیاد رکھتے ہیں اوّل تو امام غزالی کی طرف سے اس سوال کا ہونا بعید ہے اور گر امام نے کسی وجہ سے یہ سوال کیا بھی تھا تو اس میں ایسی کیا چیز تھی جس کی وجہ سے خیام کو بات گھمانی پڑی۔

بہرحال خیام کے غیر معمولی علم وفضل اور اس کی عبقریت میں شبہ نہیں ہوسکتا لیکن جس طرح ہمارے زمانہ میں علامہ اقبال کی شاعری ان کے علمی کمالات کے چہرے کا نقاب بن گئی۔ اسی طرح خیام نے شاعری میں وہ عظیم شہرت ومقبولیت حاصل کی کہ اس کے علمی اوصاف وامتیازات کی روشنی اس کے سامنے مدھم پڑگئی۔ اگرچہ شاعری میں اس کا جو کچھ بھی سرمایہ اور اثاثہ ہے وہ اسی کی رباعیات ہیں اور ان کا حال بھی یہ ہے کہ جو رباعیات اس کی طرف منسوب ہیں ان کے متعلق اب تک یہ فیصلہ نہیں ہوسکا کہ ان میں کتنی واقعی اس کی اپنی ہیں اور کتنی الحاقی ہیں۔ اردو زبان میں مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خیام" بڑی جامع اور محققانہ کتاب ہے۔ اسی میں خیام کے سوانح حیات اور اس کے علمی وادبی کمالات کے متعلق مشرق ومغرب کے علما کی تحقیقات ومباحث کا خلاصہ اور ان پر تبصرہ ہے۔ اور ساتھ ہی فلسفہ پر اس کے چند رسائل بھی کتاب کا ضمیمہ ہیں۔ اس کتاب میں رباعیات سے متعلق جو کچھ لکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خیام کی اصل رباعیات کی تعداد کسی طرح دو سو ڈھائی سو سے متجاوز نہیں ہو سکتی۔ لیکن اول تو صرف صنف رباعی میں شاعری اور وہ بھی اس قلت تعداد کے ساتھ! اس کے باوجود انہیں کی بنیاد پر مشرق و مغرب میں خیام کی غیر معمولی شہرت کی وجہ رندی وسیہ مستی سرشاری و بادہ نوشی، دنیا کی بے ثباتی و بے اعتباری اپیقوریت اور لذت کشی کے وہ مضامین ہیں جو ان رباعیات میں ایک خاص فلسفیانہ آہنگ سے بیان کئے گئے ہیں۔ "شراب لعل کش و روئے مہ جبیناں بیں"، کا نغمہ جو حافظ کے ہاں ہے وہی خیام کے ہاں بھی ہے لیکن حسن عقیدت نے بادۂ شیراز کو شراب معرفت بنا دیا۔ اور خمکدۂ نیشاپور کی شراب وہی افشردۂ انگور رہی۔ سید صاحب نے اس سلسلہ میں بڑی دلچسپ اور بصیرت افروز بحث کی ہے۔ ارباب ذوق کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئیے۔ اس سے خیام کی نسبت بہت سی غلط فہمیاں دور ہوں گی۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہئیے کہ جیسا کہ جی۔ اف۔ مین (G.F. MAIN) نے اڈورڈ فٹزگیرالڈ کے انگریزی ترجمہ رباعیات کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ خود یورپ میں ایک طبقہ ہے جو خیام کو بہت بڑا صوفی اور اس کی شراب کو شراب معرفت تسلیم کرتا ہے (ص ۳۱)

خیام کی پیدائش اور وفات دونوں کے سنہ کے متعلق مختلف قسم کی قیاس آرائیوں کے باعث اختلاف بہت شدید ہے اور کوئی ایک بات قطعی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔ سید صاحب کی تحقیق کے مطابق سال ولادت سنہ ۴۳۹ھ کے لگ بھگ، اور تاریخ وفات سنہ ۵۲۶ھ کے قریب ہوگی۔ چہار مقالہ نظامی عروضی میں عرصۂ دراز ہوا جب پڑھا تھا کہ نظامی کی ملاقات خیام سے ہوئی تو اس نے پیش گوئی کی تھی کہ میری وفات کے بعد مجھ کو ایک ایسی جگہ دفن کیا جائے گا جہاں میری قبر پر پھول برستے رہیں گے۔ نظامی کا بیان ہے کہ میں اس مرد حکیم و دانا کے انتقال کے بعد اس کی قبر پر گیا تو دیکھا کہ واقعی ایسا ہی تھا۔ یہ تو نظامی کا مشاہدہ تھا۔ ہم نے اب جس حالت میں دیکھا وہ اس سے بھی کہیں زیادہ شاندار ہے۔ ایران میں میں نے اس بات کو خاص طور پر محسوس کیا کہ مذہبی بزرگوں اور مشائخ و صوفیا کے مزارات پر جو گنبد ہوتے ہیں وہ ہمارے ہاں کے مقبرۂ تاج محل کی نقل معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حکماء، فلاسفہ اور شعراء کی قبروں پر اس قسم کے گنبد نہیں ہوتے بلکہ منقش اور رنگین ستون جو اوپر سے خمیدہ ہوتے ہیں ان کو اسی طرح اوپر ایک دوسرے سے ملا دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے کہ چھتری سے نظر آتے ہیں۔ ان کو گنبد نہیں چتر کہنا چاہیئے۔ یہ بڑے دیدہ زیب۔ نازک لطیف اور فنی (ARTISTIC) ہیں اور یہ ستون ایک دوسرے سے متصل نہیں۔ بلکہ ان میں آپس میں ایسا فصل ہوتا ہے کہ ایک دو آدمی دو ستونوں کے درمیان سے گذر سکتے ہیں۔ میں نے ان کو ستون کہا ہے لیکن درحقیقت ستون نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو "شہتیر" کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ ان شہتیروں پر اوپر نیچے نہایت جلی حروف میں خیام کی رباعیات کندہ ہیں۔ ذیل کی رباعیات ملاحظہ فرمایئے :۔

گر من گنہ روئے زمیں کردستم — عفو تو امید ست بگیرد دستم
گفتی کہ بروز عجز دستت گیرم — عاجز تر ازیں مخواہ کاکنوں ہستم

اے واقف اسرار ضمیر ہمہ کس — درحالت عجز دستگیر ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر — اے توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس

یارب بدل اسیر من رحمت کن — بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن
برپائے خرابات رو من بخشائے — بردست پیالہ گیر من رحمت کن

ان رباعیات کو زندگی میں نہ جانے کتنی بار پڑھا اور پڑھایا ہوگا لیکن آج ان کو ان کے کہنے والے کی قبر پر ادھر ادھر کندہ دیکھا تو دل پر عجیب تاثر ہوا۔ پڑھتے پڑھتے جی بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے کہ ہائے! کوئی شخص اپنے زمانہ کا کتنا ہی بڑا حکیم۔ دانشور محقق اور فلسفی ہو لیکن انجام کار ہر ایک کو رب السموات والارض کی بارگاہ رحمت و کرم میں کاسۂ گدائی ہی لے کر حاضر ہونا اور دریوزہ گری کرنا ہے۔ مقبرہ کے چاروں طرف نہایت سرسبز و شاداب لان ہیں اور ان کے درمیان میں پانی کی چھوٹی چھوٹی نہریں بنی ہوئی ہیں۔ پوری فضا نہایت پرکیف مگر باوقار ہے۔ اس مزار کے قریب ہی ایک اور مقبرہ ہے جس کے گنبد پر اندرونی اور بیرونی حصہ میں ایران کے خاص مذاق کے مطابق منبت کاری اور نقش آرائی کا کام ہے۔ اس مقبرہ میں دو قبریں برابر برابر ہیں جو حضرت علی بن موسیٰ رضاؑ کے دو صاحبزادوں کی بتائی جاتی ہیں۔ ایک کا نام ابراہیمؒ تھا اور دوسرے کا یاد نہیں رہا۔ یہاں سے ہم لوگ جب واپس ہو رہے تھے تو کچھ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک جگہ سڑک کے بیچ میں ایک . . . .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چبوترہ نظر آیا جس پر قبر بنی ہوئی تھی۔ ایک ایرانی جو میرے پاس بیٹھے تھے دریافت کرنے پر ان سے معلوم ہوا کہ پہلے خیام کی قبر یہی تھی۔ میں یہ سن کر چپ ہو گیا اور خیال کیا کہ چونکہ یہاں ادھر اُدھر آبادی ہے اور آرام گاہ خیام جیسا کہ اب ہے بنانا ممکن نہیں تھا اس بنا پر ایک لق ودق بڑا وسیع میدان اس کے لئے منتخب کیا گیا! اب سوال یہ ہے کہ میت بھی منتقل ہوئی یا نہیں؟ میں نے پوچھا تو نہیں لیکن خیال یہ ہے کہ نہیں ہوئی۔ کیوں کہ اس نوع کے مقبرے پورے ملک میں جگہ جگہ جو بنے ہیں تو ان کا مقصد آثار قومی کی حفاظت اور بڑے لوگوں کی یادگار قائم کرنا ہے اور بس! چنانچہ بجنورد نامی ایک مقام پر "تربت شیخ جام" کے نام سے مولانا زین الدین ابوبکر تائبادی کا جو مزار ہے اس کی نوعیت بھی یہی ہے۔ اور اب امام غزالی کی جو آرام گاہ بنے گی۔ اس کا حال بھی یہی ہوگا۔ یعنی قبر نامعلوم اور مقبرہ موجود۔ یہاں سے فارغ ہو کر ایک سرائے (۱۸۸) میں بہت پرتکلف لنچ کھایا جو نیشاپور کے گورنر کی طرف سے تھا۔ ہمارے ہاں سرائے کا جو مفہوم ہے ایران کی سرائے اس سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ سادگی کے ساتھ صفائی ستھرائی اور عمدہ فرنیچر کا اہتمام یہاں بھی ہوتا ہے۔ اس کے بعد تین بجے سہ پہر میں ہم لوگ روانہ ہوئے اور سوا پانچ بجے مشہد اپنے ہوٹل میں واپس پہنچ گئے۔

لیجئے! مشہد میں قیام کی مدت ختم ہو گئی۔ ۱۹/مارچ کی صبح کو یہاں پہنچے تھے اور اب واپس ہونا ہے۔ ۲۴/ کی صبح کو ناشتے سے فارغ ہو کر پونے آٹھ بجے ایئرپورٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ نو بجے جہاز اڑا اور ایک گھنٹے میں تہران کی طیران گاہ پہنچا دیا۔ جہاز سے اترتے وقت کا یہ واقعہ فراموش نہیں ہوتا کہ ایران کے نہایت بلند پایہ عالم اور شیخ جناب مرزا محمد خلیل کمرہ ای جن کا ذکر پہلے آچکا ہے وہ بھی اپنے مریدوں کی ایک جمعیت کے ساتھ اسی جہاز سے تہران واپس آئے تھے اور مجھ سے کافی فاصلے پر تھے لیکن جہاز سے اترتے وقت جب میں رخصت ہونے کے لئے ان سے ملا تو بے ساختہ وہ مجھ سے بغلگیر ہو گئے میری پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا: "لاجعل اللہ نی یا دتک هٰذا آخر زیارتی" یہ جملہ انھوں نے کچھ ایسی شفقت بزرگانہ کے لہجے میں ادا کیا کہ آج تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی لذت میرے کام و دہن میں بسی ہوئی ہے۔ روحانیت و معرفت کے اس بلند پایہ مقام پر ان جیسا بزرگ شیعہ علما میں میں نے اب تک کوئی نہیں دیکھا تھا اس لئے میں ان سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اور موصوف بھی میرا مقالہ سن کر اتنے خوش ہوئے تھے کہ مشہد میں دو تین مرتبہ جب کبھی ملے مقالہ کی تعریف کی۔ مجھ کو دعائیں دیں اور اپنی متعدد تصانیف کا ایک سیٹ عطا فرمایا۔ "متع اللّٰہ المسلمین بطول بقائہ"۔ یہ روحانیت بھی کیا عجب شے ہے، پارس کی پتھری ہے جس کو چھو گئی اس کو کندن بنا دیا۔

سامان لے کر جب ہم لوگ ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر آئے تو حسب سابق مجھے اور ڈاکٹر محمد اقبال انصاری کو لینے کے لئے کرنل ابوالقاسم حیدری اپنی کار کے ساتھ موجود تھے۔ اور قرارداد کے مطابق عزیزہ مہین بہت معتمدی بھی انتظار کر رہی تھیں۔ آنعزیزہ کار میں بیٹھنے میں کچھ جھجک رہی تھیں لیکن جب کرنل صاحب نے ان سے باصرار کہا تو وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئیں اور اب ہم اپنے اسی پرانے ہوٹل مارلیک پہنچ کر ایک کمرہ میں مقیم ہو گئے۔ اس وقت ایک عجیب لطیفہ یہ پیش آیا کہ پہلی مرتبہ ہم دونوں کو جو کمرہ ملا تھا اس کا نمبر ۴۲۰ تھا۔ اتفاق سے اس مرتبہ بھی یہی کمرہ ملا ہم نے اس میں سامان رکھ دیا تھا۔ اور اقبال صاحب کہہ رہے تھے عجیب معاملہ ہے ہماری قسمت میں یہی ایک نمبر ہے۔ اتنے میں ہوٹل کا ایک ملازم آیا اور اقبال صاحب کو اپنے ساتھ ہوٹل کی منیجر خاتون کے پاس لے گیا۔ یہ خاتون بہت خوش مزاج اور اچھی خاصی شائستہ اور تعلیم یافتہ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اگر آپ کمرہ بدلنا چاہیں تو بدل دیجئے۔ اقبال صاحب نے تعجب سے پوچھا۔ آخر آپ کو اس کا خیال کیوں کر آیا۔ محترمہ نے جواب دیا: ایران میں ہندوستانی فلمیں بہت مقبول ہیں اور میں بھی انہیں بہت پسند کرتی ہوں۔ انہیں سے مجھے معلوم ہوا کہ ۴۲۰ کا عدد آپ کے ملک میں پسند نہیں کیا جاتا۔ اقبال صاحب نے کہا: شکریہ! جی ہاں۔ بات تو یہی ہے۔ چنانچہ ہمارا کمرہ بدل دیا گیا اور ہم ۴۲۱ نمبر میں منتقل ہو گئے۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کا کمرہ ہمارے کمرے سے متصل تھا ان سے آمنا سامنا ہوا۔ اور میں نے ان سے معتمدی کا تعارف کرایا تو بڑے خوش ہوئے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی میں ان سے گفتگو شروع کر دی۔ معتمدی عربی بھی بے تکلف بولتی ہیں۔ اس کے بعد شام کو چار بجے پھر آنے کا وعدہ کر کے وہ رخصت ہو گئیں۔ اودہم نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ لنچ کھایا اور قیلولہ کیا۔ ٹھیک چار بجے معتمدی آگئیں۔ اور ہم نے پروگرام یہ بتایا کہ پہلے پروفیسر بدیع الزماں فروزاں فر سے ملاقات کریں اور پھر بازار کا گشت لگائیں۔ پروفیسر موصوف کے ہاں فون کر کے ان سے پہلے سے ملاقات کا وقت متعین کر لیا گیا تھا۔ وہ علالت سے صحت یاب ہونے کے بعد ابھی کمزور تھے لیکن اس کے باوجود ہم کو ملاقات کے لئے گھر پر آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ٹھیک چار بجے معتمدی آگئیں اور ہم ان کے ساتھ ٹیکسی میں روانہ ہوئے، مکان کے قریب پہنچکر اترے تو ایک دکان گل فروش سے ایران کے دستور اور قاعدہ کے مطابق معتمدی نے ہم دونوں کی طرف سے چھ سات روپیہ کا پھولوں کا ایک گلدستہ (جیسا کہ معتمدی میرے لئے لائی تھیں) خریدا۔ میں نے ہر چند کوشش کی لیکن ٹیکسی کا کرایہ اور گلدستہ کی قیمت دونوں انھوں نے ادا کئے۔ اور ایک یہ کیا جیسا کہ آپ کو آئندہ معلوم ہوگا، طہران کے دوران قیام میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں اور معتمدی دونوں کہیں گئے ہوں اور ٹیکسی کا کرایہ میں نے ادا کیا ہو۔ میں ہر چند کہتا اور اصرار کرتا تھا مگر انھوں نے ایک نہ سنی۔ خیر۔ اب ہم مکان میں داخل ہوئے تو جی خوش ہو گیا۔ دو منزلہ (یا سہ منزلہ) مکان تھا نہایت دیدہ زیب اور خوبصورت بنا ہوا۔ اوپر کی منزل میں ملاقات کا کمرہ یورپ اور ایران دونوں کے ملے جلے طرز میں نہایت اعلیٰ قسم کے فرنیچر سے آراستہ اور پیراستہ۔ ملازم نے کمرہ کھولا اور ہم بیٹھ گئے۔ پانچ چھ منٹ کے بعد آقائے بدیع الزماں تشریف لائے۔ ایران کے مردانہ حسن کا ایک نمونہ۔ اسلامی اور مشرقی اخلاق و تواضع اور مہمان پذیری کا پیکر۔ علم و فضل اور شعر و ادب کا مجسمہ۔ قد و قامت درمیانہ جسم فربہ اور گداز۔ ابھی بیماری سے اٹھے تھے اس لئے چہرے ضعف و نقاہت کے آثار اور پھر یوں بھی عمر رسیدہ! اس لئے اضمحلال کافی تھا لیکن اس کے باوجود باتیں بڑی شگفتگی اور خوش طبعی کے ساتھ کیں۔ اب آیئے ان سے ذرا تعارف بھی کر لیجئے۔

پروفیسر بدیع الزماں فروزاں فر موصوف ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۸۹۲ء بمقام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بشرویہ جو طبس کے مضافات میں ہے ۔ ایک خانوادۂ علم وفضل میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد ماجد کا نام شیخ علی اور دادا کا نام ملا محمد حسن قاضی تھا ۔ اور دونوں اپنے عہد کے نامور طبیب فقیہہ اور شاعر تھے ان کا نسب ملا احمد تونی تک پہنچتا ہے جو شاہ عباس صفوی کے علمائے معاصرین میں سے تھے ۔ بدیع الزماں نے ابتدائی علوم وفنون کی تعلیم اپنے وطن میں ملا محمد حسین سے حاصل کی ۔ ماہ محرم ۱۳۳۸ھ میں مشہد آئے اور یہاں دو ماہ کی اقامت کے بعد مرحوم ادیب نیشا پوری (۱۲۸۱ ــ ۱۳۴۴ھ) سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ادبی و منطقی علوم وفنون کی ان سے تحصیل کی ۔ یہ سلسلہ ۱۳۴۲ھ تک قائم رہا ۔ اسی اثنا میں انھوں نے مرحوم الحاج میرزا حسین سبزواری سے استفادہ کیا ۔ ان کے علاوہ حاجی شیخ مرتضیٰ آشتیانی اور حاجی شیخ مہدی خالصی بھی ان کے اساتذہ میں تھے ۔ موصوف ۱۳۴۲ھ میں تہران آئے اور یہاں مرزا طاہر تنکابنی مرحوم جو اپنے عہد کے منطق اور فلسفہ کے یگانۂ روزگار استاد تھے ان سے ابن سینا کی اشارات اور اس کی شرح جو نصیر الدین طوسی اور امام رازی نے لکھی ہے ۔ اور شفا، کلیات، قانون، نجات اور تمہید القواعد وغیرہ کتابیں پڑھیں ۔ اسی زمانہ میں انھوں نے آقا حسین نجم آبادی سے فقہ واصول فقہ ۔ اور آقا میرزا مہدی آشتیانی سے تحریر اقلیدس اور کتاب اسفار اربعہ کا حصہ الٰہیات اور ادیب پشاوری مرحوم سے شرح چغمنی کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے ۔ خود آقائے بدیع الزماں کا بیان ہے کہ جب میں تہران آیا تو اس وقت یہاں علمی اور ادبی حلقوں میں ادیب پشاوری، شمس العلماء گرگانی ۔ جو دار الفنون میں فقہ اور عربی کا درس دیتے تھے ۔ اور آقا میرزا لطف علی صدر الافاضل اور میرزا رضا نی نائینی ۔ شاہزادہ افسر اور ذکاء الملک فروغی کا طوطی بول رہا تھا ۔ اسی زمانہ میں عبد الوہاب محمد قزوینی انگلستان سے تعلیم پاکر ایران واپس آئے تھے ۔ میں ان سب حضرات کی خدمت میں برابر حاضر ہوتا رہتا اور استفادہ کرتا رہتا تھا ۔

© rasailojaraid.com